عارف صدیق
پی ایچ ڈی اسکالر، یونی ورسٹی آف سرگودھا
ڈاکٹر عبدالعزیز ملک
لیکچرار شعبہ اردو جی سی یونی ورسٹی فیصل آباد

Araf Saddique
Ph.D Scholar University Of Sargodha
Dr. Abdul Aziz Malik
Lecturer Urdu GC University Faisalabad

عرفان جاوید کی خاکہ نگاری

"دروازے" کے تناظر میں

Irfan Javed's Sketch Writing (in context of "Darwazy")

Abstract

Irfan Javed is a renowned sketch writer. He has sketched various cotemporary literary and social personalities. His sketches reflect his era. "Darwazy" is his first book of sketches. The sketches of this book reflect the personalities as well as the social and political situation of this era. An effort has been made through this article to present a critical overview of Irfan Javed's sketching in context of his book "Darwazy"

Keywords: Sketch Writing, Personality, Darwazy, Irfan Javed

کلیدی الفاظ: خاکہ نگاری، شخصیت، دروازے، عرفان جاوید

اردو ادب میں خاکہ نگاری ایک ایسی صنف ہے جس نے اپنے آغاز سے موجودہ عہد تک پہنچتے پہنچتے فکری و فنی حوالوں سے عروج کی منازل طے کی ہیں۔ اردو میں مختلف ناقدین کی خاکہ اور خاکہ نگاری کے حوالے سے مختلف آرا سامنے آئی ہیں جن میں "خاکہ" کی بطورِ لفظ اور بحیثیتِ صنف وضاحت کی گئی ہے۔ محمد حسین جامی خاکہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "لفظ" خاکہ " انگریزی اصطلاح "SKETCH" کا متبادل ہے ۔ جس کے لفظی معنی وہ نقشہ کے ہیں جو صرف حدود کی لکیر میں کھینچ کر بنایا جائے یا ڈھانچہ تیار کیا جائے ۔" (۱)

یہاں خاکہ کو بطور لفظ واضح کیا گیا ہے کہ مختلف لکیروں کی مدد سے تیار کیا گیا نقشہ جو کسی بھی چیز کے بارے میں قارئین کی رہنمائی کرتا ہے اور ہمیں اس چیز کے خدوخال سے آگاہی ہوتی ہے۔ ہماری یہ بحث خاکہ بحیثیت صنف ادب کے حوالے سے ہے۔

ادب کی اصطلاح میں خاکہ سے مراد ایسی تحریر ہوگی جو الفاظ کے ذریعے کسی بھی شخص کے ظاہری خدوخال کے ساتھ ساتھ اس کی عادات و خصائل اوراس کی زندگی کے مختلف مشاغل سے بھی آگاہی دے۔یہ سوانحی مضمون کا درجہ رکھتا ہے قاری جس کو پڑھنے کے بعد مذکورہ شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی حاصل کرتاہے۔ہمیں خاکہ نگاری کے ذریعے کسی شخص کے ظاہری خدوخال اور اس کی عادات او ر سماجی برتاؤکا علم ہوتاہے۔۔پروفیسر تنویر حسین کے خیال میں :

"ادبی اصطلاح میں خاکہ ایسی تحریر یا مضمون کو کہتے ہیں جس میں کسی شخص کی زندگی یا شخصیت کااختصار کے ساتھ جائزہ لیاجائے ۔ اس میں شخصیت کے نقوش مع خامیوں اور خوبیوں کے ابھر آئیں خاکہ ایسا ہونا چاہیے ۔ جس میں مطلوبہ شخصیت کے خدوخال ، افکار وافعال اور محاسن و نقائص اجاگر ہو جائیں۔"(۲)

خاکہ شخصیت کے اوصاف بیان کرتاہے اور اس شخصیت میں پائے جانے والے معائب او ر ناہمواریوں کو بھی سامنے لاتاہے۔ حقیقی خاکہ وہی قرار پاتاہے جو شخصیت کے تمام پہلوؤں کو سامنے لائے۔ کامیاب خاکہ وہ ہوتا ہے جسے پڑھنے کے بعد قاری مذکورہ شخصیت کے مزاج ، انداز فکر اور ذہنی استعداد سے آگاہ ہو جائے ۔خاکے کا انداز غیر رسمی اور غیر روایتی ہوتا ہے، اس میں شخصیت کے چند پہلوؤ ں کو اختصاراور جامعیت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے ۔ یہ شخصیت کی مکمل سوانح تو نہیں ہوتا لیکن کامیاب خاکہ نگار مختصر لفظوں میں اس شخصیت کے ظاہر او رباطن کی ایسی تصویر سامنے لانے میں کامیا ب ہوجاتا ہے کہ پڑھنے والا اس شخصیت کے بارے میں واضح رائے قائم کرسکتاہے ۔

اکیسویں صدی میں ارد و خاکہ نگاری کو عروج پر پہنچانے اور نئی جہتوں سے آشنا کروانے والوں میں ایک اہم نام عرفان جاوید کا ہے۔عرفان جاوید نے خاکہ نگاری کو روایتی اندازسے آگے بڑھاتے ہوئے اسے فکری اور فنی دونوں حوالوں سے وسیع کیا ۔ ان کے خاکوں میں پورا عہد سانس لیتا ہے ۔ان کے خاکے زیادہ علمی و ادبی شخصیتوں پرہیں۔خاکہ نگاری پر ان کی کتاب"دروازے " ۲۰۱۷ءمیں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتا ب میں موجود خاکوں کامطالعہ بتاتاہے کہ انھوں نے حقیقی معنوں میں اردو ادب کے قارئین کو ان " ادبی دروازوں "سے روشناس کرایا ہے جن سے گزر کر ادب میں آنے والے نو آموز تخلیق کار کامیابی کے سفر میں مائل بہ عروج چلتے جاتے ہیں ۔ اس کتاب میں انہوں نے زیادہ تر اردو ادب کے تخلیق کاروں اورناقدین کے خاکے لکھے ہیں۔ یہ ایسے لوگ تھے جن سے عرفان جاوید کوذاتی طور پر خاص لگاؤتھا اور ان کی زندگی پر براہ راست یا بالواسطہ ان کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ یہی لگاؤاور اثرات عرفان جاوید کو ان کے بارے میں لکھنے کی طرف لے کر آئے۔

عرفان جاوید خاکہ نگاری کے حوالے سے اپنی ایک خاص پہچان ہے۔ ان کا اس صنف پر کامل عبور ہے جو کم وقت میں ان کے حصے میں آیا ہے ۔ انھوں نے زندگی کے مختلف شعبہ جات سے وابستہ لوگوں کے احوال خاکوں کی صورت میں پیش کیے ہیں۔ان کے خاکوں میں شخصیت کے بارے میں معلومات میں اضافہ ہوتاہے وہاں اس عہد کے مختلف سیاسی اور سماجی رجحانات کا بھی پتا چلتاہے ۔ عرفان جاوید نے اپنے قلم کو محض شخصیت نگاری تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ انھوں نے زندگی کی متنوع جہات کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

عرفان جاوید نے جن شخصیتوں کے خاکے قلم بند کیے ہیں ان سے ان کی گہری وابستگی تھی. ہ وہ ان سے گہری عقید ت بھی رکھتے تھے ۔ ان کی خاکہ نگاری میں یہ عقیدت اہم خوبی بن کر سامنے آئی ہے۔خاکہ نگار کو شخصیت کے باطن میں اترنا پڑتاہے او ریہ کام گہرے قلبی تعلق اورعقید ت کے بغیر ممکن نہیں ۔ عرفان جاوید باطن تک رسائی کا گُر جانتے ہیں۔انھوں نے جن شخصیا ت کے خاکے لکھے ہیں ان سے بہت کچھ سیکھنے کا اعتراف کھلے دل سے کرتے ہیں۔وہ احمد ندیم قاسمی سے اس عقیدت کا اظہا ریوں کرتے ہیں:

> ''پہلی ملاقات میں لمبے لٹکتے ہوئے پرانے پنکھے کی گُھر گُھر ،روشن دان سے آتی سنہری دھوپ کی ترچھی کرنیں،کھڑکی کی جالی سے ٹکراتی کھیلتی چڑیاں اور کمرے میں سانس لیتی قدامت کے خستہ اوراق سے مماثل مہک مجھے تذبذب میں مبتلا کرتی تھیں کہ میں بیسویں صدی کے اوائل میں سانس لیتا ہوں یا اواخر میں زندگی برت رہا ہوں۔ سامنے منٹو، بیدی، کرشن چند ر اور فیض کے ہم عصر احمد ندیم قاسمی صاحب بیٹھے اوراقِ زندگی لمحہ لمحہ پلٹ رہے تھے اور میں ایک بھر پور دور کی ترجمانی کرتے اُستادِ ادب کو عقیدت سے دیکھ رہا تھا۔'' (۳)

یہ عقیدت محض وقتی نہیں بلکہ وہ اسی عقیدت کے تحت زندگی گزارتے ہیں اوریہ عقیدت ان کو بڑوں سے کچھ سیکھنے کا موقع بھی فراہم کرتی ہے ۔وہ دوسروں کے علمی و ادبی کارناموں اور ان کی شخصیت کے اوصاف کا کھلے دل سے احترام کرتے ہیں ۔ عرفان جاوید کا فن دوسروں کے فن کے احترام سے اپنا آپ نکھارتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ چاہتے ہوئے بھی حصار سے نکل نہیں پاتے ۔

شعرا وادبا خاکہ نویسی میں روایتی موضوعات اور مضامین میں تبدیلیاں لائے اور فکری و موضوعاتی دنیا میں وسعت پیدا کی۔ عرفان جاوید کی خاکہ نگاری کو فکری او رموضوعاتی حوالے کے تناظر میں دیکھا جائے توان کے ہاں خاصاتنوع ملتاہے۔ انھوں نے خاکہ نگاری میں خود کوکسی مخصوص سماجی گروہ تک محدود نہیں کیا۔ ان کے ہاں متنوع شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے خاکے ملتے ہیں۔ ان کے خاکوں میں پورا عہد بولتا نظر آتاہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انھوں نے جن لوگوں کے خاکے تحریر کیے ہیں ان لوگوں کی زندگی سے وابستہ شعبہ جات کے تقاضوں کو مد نظر رکھاہے اور اپنے خاکوں‌میں ان کی عکاسی کی ہے۔ا ن کے ہاں خاکہ نگاری محض شخصیت کا بیان ہی نہیں بلکہ اس شخصیت کا عہد بھی چلتا محسوس ہوتاہے۔

تخلیق کار کے لیے ماحول اور اس پر اثر انداز ہونے والے عناصر خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ کوئی بھی تخلیق کار اپنے ماحول سے الگ رہ کر نہ تو اچھاادب تخلیق کر سکتاہے اور نہ ہی عصری رجحانات کی عکاسی اس کے ہاں ممکن ہوسکتی ہے ۔ ہر تخلیق کار کی تخلیق کے بنیادی محرکات میں تخلیق کے ماحول کا بڑاہاتھ ہوتاہے کہ تخلیقی محرکات ماحول سے ہی جنم لیتے ہیں ۔ عرفان جاوید نے خاکہ نگاری کے دوران تخلیق کاروں کے ماحول اور اس ماحول سے جنم لینے والے تخلیقی محرکات کو بھی خاص طورپر مد نظر رکھا ہے ۔ ماحول تخلیق کار پر کس طرح اثرا اندازہوتاہے اس کی ایک مثال عرفان جاوید کے لکھے ہوئے خاکے سے ملاحظہ ہو:

"ان کی سون سکیسر سے جذباتی وابستگی تحریروں اور گفتگو پر غالب رہی۔ لہلہاتے کھیت، امڈتے بادل، دھلی پہاڑیاں، چکراتی بل کھاتی پگ ڈنڈیاں، بیکڑ کے پھول کی جڑمیں مٹھاس کا موتی، چٹختی چٹانوں کی دراڑوں سے پھوٹتے جنگلی پھول، گھنی پھلاہیوں کے سائے میں دھرتی کی بھینی بھینی خوشبو، نیلے پہاڑ کے دامن میں آئینے کی طرح چمکتی ہوئی جھیل پر سورج کی کرنوں کی سڑک، بادل کی گرج کے ساتھ تانبے کی چادروں کی طرح بجتے ہوئے پہاڑ، مکئی کے بھٹوں کے لانبے لانبے سنہرے بالوں میں مکئی کی مہک، رات کے سناٹے میں اونٹ کی گھنٹی یا خچر کے ٹاپ، مینہ کے چھینٹے، موسلادھار بارش کی عمودی دیواریں اور سیاہ بادلوں سے بجلی کے لشکارے اُن کی تحریروں میں دَر آتے ہیں۔" (۴)

عرفان جاوید کی نظر شخصیت پر ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کے ماحول کو بھی خاص طورپر دیکھتے ہیں ۔کسی بھی شخصیت کے تخلیقی محرکات خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ شخصیت کاخاکہ لکھتے ہوئے اس شخصیت کے تخلیقی محرکات کو لازمی زیربحث لاتے ہیں۔اس طرح ایک تو شخصیت کا تعارف ہوجاتاہے تو دوسری طرف ان تخلیقی محرکات پر اثر انداز ہونے والے عوامل سے بھی قاری کو بخوبی شناسائی ہوتی ہے۔ عرفان جاوید کی خاکہ نگاری میں یہ فن قاری کے سامنے آتاہے۔

ادیب کی شخصیت اور ادب پرخاندان او رماحول کے اثرات ہوتے ہیں۔ عرفان جاوید ماحول کے ساتھ ساتھ خاندانی عوامل تک بھی رسائی حاصل کرتے ہیں۔وہ شخصیت کا خاکہ لکھتے ہوئے اس کے خاندان اور خاص طور پر ان لوگوں کے بارے میں روشنی ڈالتے ہیں جن کے اثرات تخلیق کار کی زندگی پر ہوتے ہیں۔تخلیق کار نے قدرت کی رنگینیوں کو کس انداز میں دیکھا ہے او روہ ان سے کس طرح متاثر ہوا ہے ان سب کا بیان عرفان جاوید کے خاکوں میں ملتاہے۔ اس کی ایک مثال دیکھیے:

"والد پہلوا ن تھے۔پہلوانوں کی خوب عزت کی جاتی تھی۔ اُن کی خواہش تھی کہ بیٹا بھی پہلوان بنے۔چنانچہ اس کی صحت بنانے کے لیے باقاعدہ ڈنڈ نکلواتے، ورزش کرواتے اور کھیتوں، میدانوں اور نواحی جنگلات میں صبح سویرے سیر کے لیے لے جاتے، ان سیروں نے طبیعت میں فطرت سے لگاؤ اور رومان پیدا کردیا۔پنجاب کی گھنی ہریالی اور جنگلی پھول، تازہ ہوا میں پرندوں کی چہکاردُورافق پر نارنجی دائرہ پیلا اُونی گولا اور پھر سنہرا دمکتادہکتا چندھیاتا سورج بن جاتا۔ والد اِس دوران درختوں ، پودوں اور پھولوں کے بارے میں بتاتے جاتے،بیٹا شوق اور حیرت سے دیکھتا جاتا ۔" (۵)

عرفان جاوید کے خاکے معلومات ہی بہم نہیں پہنچاتے بلکہ مختلف شخصیات کے ساتھ ان کے گزرے ہوئے شب وروز کے تجربات بھی بیان کرتے ہیں۔یہ تجربات چو ں کہ حقیقی زندگی کے تجربات ہیں اس لیے ان میں اصلیت پائی جاتی ہے ۔ عرفان جاوید کا حلقہ احبا ب خاصا وسیع ہے ۔ پھر ان کے احباب بھی مختلف مزاجوں کے مالک ہیں ۔ وہ سب کے مزاج کو سمجھتے ہیں بلکہ مزاج کے مطابق ان سے میل جول بڑھاتے ہیں۔وہ اس میل جول میں لوگوں کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں انہیں یہی قربت ان لوگوں کے بارے میں لکھنے اور تجربات بیان کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔اس قربت سے انھوں نے بہت کچھ سیکھا بھی ہے ۔وہ احمد ندیم قاسمی کے متعلق لکھتے ہیں:

"جب کبھی میں قاسمی صاحب کے ہم راہ کہیں جاتا تو وہ اپنے گردوپیش کا مشاہدہ کرتے، وہ گُل برگ کا ریستوان ہو، مال روڈ پر واقع ہوٹل ہو، جم خانہ ہو یا کوئی دفتر۔وہ نہ صرف مشاہدہ کرتے بلکہ معاملات کا معروضی تجزیہ کرتے۔سوالات ہر وقت ان کے ذہن میں جنم لیتے رہے، جن کا جواب مل جاتا، افسانے میں ڈھل جاتے۔وہ آخری عمر تک متجسس رہے۔عالمی نظریات ہوں، ملکی حالات یاجدید ادب، اُن کی دل چسپی برقرار رہتی۔" (۶)

تخلیقی محرکات میں سب سے اہم قدرتی مناظر ہوتے ہیں۔ اچھا تخلیق کار ان مناظر سے اثرات قبول کرتا ہے اور پھر ان اثرات کو تخلیق کے قالب میں ڈھالتاہے اس طرح اس کی تخلیق جاندارہو تی چلی جاتی ہے ۔عرفان جاوید اس فن میں بھی کامیاب نظر آتے ہیں۔وہ مستنصر حسین تارڑ کے بارے میں لکھتے ہوئےیوں رقمطراز ہیں:

" اپنے شہہ پاروں کے بہت سے کردار انہوں نے اپنی حقیقی زندگی سے اٹھائے ہیں۔ بھلے وہ" ڈاکیا اور جولاہا "کی نتالیہ ہو یا" پیار کا پہلا شہر "کی پاسکل۔" راکھ "کا مشاہد ہو یا" کے۔ٹو کہانی'" کا مطیع الرحمان۔ یا پھر اس کے سفرناموں میں بکھرے مٹی کے مختلف باوے۔ سب نرالے، بہت سے اصلی، بولتے بھگوان۔ نتالیہ یقینا ایک حقیقی لڑکی ہے جس کے ہاتھ کے لکھے خطوط آج بھی لاہور کی ایک کوٹھی کی بیلوں میں ڈھکی، بین الاقوامی مصوروں کی شاہکار پینٹنگوں سے سجی، نفیس صاف ستھری روشن روشن اسٹڈی میں محفوظ ہیں۔ مضبوط ہاتھوں میں محفوظ ہیں۔ یہ وہ لڑکی ہے جو اپنے اردگرد پھیلی حسین چیزوں، سرسوں کے کھیت، کیکر پھلاہی شیشم اور سرس کے درختوں اور ہوا کے جھونکوں میں بسی ان کی مہک، ان کی شاخوں پر کوکتی فاختاؤں کی سوز و سکون بھری آوازوں، سبز کھیتوں اور مٹیالے میدانوں میں بل کھاتی پگڈنڈیوں ، مویشی چراتے لوگوں، بے فکری اور آسودگی سے چرتی گائیوں، کنویں پر پانی بھرتی عورتوں، تسلے سروں پر رکھے گوبر چنتے بچوں‌اور فصل کاٹتی عورتوں کو صبح کی دودھ سفیدی اور شام کو اس میں کولا کی سی گھلتی نیم سیاہی میں دیکھ کر اُکتاتی ہے اور رودین کے فراخ سینے میں پناہ ڈھونڈتی ہے۔ آستانہ رومی میں ہے بھی اور نہیں بھی۔" (۷)

ماحول اور خاندانی اثرات تخلیق کار کی تخلیق کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی شخصیت پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتاہے کہ تخلیق کار کے قلم سے بعض ایسی چیزیں بھی نکلتی ہیں جو اس کی اپنی طبیعت سے میل نہیں کھاتی ۔اس لیے کہ تخلیق کار اور تخلیق کے کرداروں کے عادات واطواراورمزاج میں فرق ہوتاہے ۔ عرفان جاوید لکھتے ہوئے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ آیا اس کی شخصیت کلی طور پر اس تخلیق میں حلول کر گئی ہے یا وہ آزاد ہے ۔وہ اے ۔حمید کی شخصیت اور ان کی تحریروں‌میں پائے جانے والے تضا د کویوں بیان کرتے ہیں:

"وہ خوش پوشاک، خوش خوراک، سرخ وسفید، نازک مزاج رومانوی اے حمید جو تصویروں میں نظر آتا تھا، اُسے ڈھونڈتا جب میں سمن آباد کی ایک پُرسکون سڑک کے چھوٹے سے مکان تک جاپہنچا تو وہاں میری ملاقات ایک نحیف، کم زور، کھچڑی بالوں والے شخص سے ہوئی۔وہ رایل لنڈن کراکری، عمدہ ولایتی کپڑے کا نفیس لباس، خوشبودار تمباکو اور بھاپ اُڑاتی رومانوی سیلون کی چائے جس کا تذکرہ اُن کی

تحریروں سے یوں ٹپکتا تھا جیسے چھوٹی مکھی کے چھتے سے بہشت کا شہد،ندارد تھا۔سفید پوشی تھی یا شاید عسرت تھی، سادگی تھی، متانت تھی، خودداری تھی ناسٹیلجیا تھا اور بلا کی یادداشت تھی۔" (۸)

تخلیق کار کی شخصیت کے مختلف روپ ہوتے ہیں ۔ اس کا ایک مزاج ہوتاہے جو اس کی فکر اور تخیل کو جلا بخشتا اور اس پر اثر انداز ہوتاہے لیکن یہ خاص مزاج کسی بھی شخصیت کو کلی طورپر اپنے غلبے میں نہیں لیتابلکہ اس شخصیت کے مختلف انداز سامنے آتے رہتے ہیں۔ یہی انداز تخلیق کار کی تخلیق میں نکھرنے شروع ہوجائیں تو اس کے ہاں موضوعاتی حوالے سے بھی تنوع سامنے آتاہے اور اصناف کے حوالے سے بھی۔ وہ ایک سے زیادہ اصناف میں طبع آزمائی کرنے لگتا ہے ۔ تخلیق کار کے مختلف اصناف میں انداز مختلف بھی ہوسکتے ہیں جو اس کے ذہنی میلانات اوررجحانات کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ عرفان جاوید کے ہاں خاکہ نگاری میں کسی بھی شخصیت کے متنوع روپ کی عکاسی ملتی ہے۔ وہ جاوید چودھری کے خاکے میں لکھتے ہیں:

"اُس کا اصل روپ وہ ہے جس میں وہ تب آتا ہے جب وہ کالم لکھتا ہے، سوچتا ہے یا قریبی احباب کے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا وہ رابرٹ لوئی اسٹیونس کے معروف کردار ڈاکٹر جےکال کی طرح ذاتی زندگی میں مختلف انسان ہوتا ہے اور لوگوں سے ملتے ہوئے کچھوے کی طرح اپنے خول میں سمٹ جاتا ہے۔ لوگ اس خول ہی کوجاوید چودھری سمجھ لیتے ہیں۔" (۹)

عرفان جاوید خاکہ نویسی میں شخصیت کے مختلف روپ بیان کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ کسی شخص کی زندگی کے کمزور پہلو بیان کرتے وقت اس کی شخصیت کو منہدم نہ کردیں ۔ انہیں اس امر میں خاص کمال حاصل ہے کہ وہ کسی شخصیت کا خاکہ لکھتے وقت اس کی زندگی کے ایسے پہلو جو عام لوگوں کے نزدیک کسی طور پر لائقِ تحسین نہیں ہوتے انہیں بیان کرنے سے گریزکرتے ہیں ۔ یہ بڑا فن ہے جس میں عرفان جاوید کا خاص مہارت حاصل ہے ۔وہ عاصم بٹ کے خاکے میں ان کی مختلف عادات کو یوں بیا ن کرتے ہیں:

"اس کی ایک عادت مجھے بہت پریشان رکھتی ہے اور وہ اس کا بھلکڑپن ہے۔بڑے سے بڑا وعدہ کرکے بھول جاتا ہے اور اپنی داخلی دُنیا میں گم ہوجاتا ہے۔ کبھی کبھار مجھے اس پر دھونی رمائے برگد کے نیچے بیٹھے ایک سادھو کا گمان ہوتا ہے،سوچ کی پہنائیوں میں گم لیکن کبھی مجھے لگتا ہے کہ یہ آنکھیں بند کیے جوگ سنبھالے بیٹھا سادھو اِتنا بھی گم سُم نہیں بلکہ جب دُنیا بے خبر ہوتی ہے تو وہ اپنی ایک موٹی سی آنکھ کھول کر اِردگرد کا جائزہ لیتا ہے اور کسی کو متوجہ پاکر جلدی سے وہی آنکھ بند کرلیتا ہے۔میری آنکھیں چند ایک بار اُس کی کھلی آنکھ سے دوچار ہوئیں تو اس میں مشاہدے اورذہانت کی چمک یوں لشکارے مارتی تھی جیسے پہاڑی چشمے سے نہا کر نکلتی گوری کا جوبن۔اگراُس کا مشاہدہ اِتناتیز نہ ہوتا تو وہ کیوں کر ایسے ادبی شاہ کار تخلیق کرلیتا،وہ عورت کا سامشاہدہ رکھتا ہے جو آدھی آنکھ سے مخاطب کے عزائم کو جانچ لیتی ہے۔" (۱۰)

عرفان جاوید وسیع مشاہد ے کے مالک ہیں ۔ ان کے ہاں لوگوں کے مشاہدے کو جانچنے کی خاص صلاحیت ہے۔وہ لوگوں کے انداز زندگی کو گہری نظر سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے انداز زندگی کا تجزیہ بھی کرتے ہیں اور

دوسروں لوگوں سے ان کی انفرادیت کو بھی سامنے لاتے ہیں۔وہ شخصیت کو اس کے حقیقی انداز میں قارئین کے سامنے لاتے ہیں ۔وہ شخصیت کے دوسرے لوگوں سے روابط بھی بیان کرتے ہیں۔ان کے ہاں اجتماعیت کی اہمیت انفرادیت سے زیادہ ہے ۔ وہ مجلسی آدمی ہیں اسی وجہ سے ان کے ہاں لوگوں کو ایک خاص انداز میں دیکھنے کی روش ملتی ہےاور یہی خوبی ان کے لکھے ہوئے خاکوں میں بھی نمایاں انداز میں سامنے آتی ہے۔وہ احمد ندیم قاسمی کے تعلق کو یوں بیان کرتے ہیں :

"مجلسِ ترقی ادب کا دفتر یقینا برصغیر میں ادب کا سب سے اہم اور متحرک مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔کلب روڈ پر واقع نرسنگھ داس کی تعمیر کردہ یہ عمارت قاسمی صاحب کی زیر ادارت نکلنے والے سہ ماہی "فنون "کا بھی دفتر قرار پائی۔ دہائی بھر سے زیادہ کے تعلق میں میری قاسمی صاحب سے فون پر ہر دوسرے تیسرے روز بات ہوجاتی اور دس بارہ دن بعد میں ان کے دفتر میں حاضر ہوجاتا۔کیا کیا دماغ تھے اور کیا کیا لوگ جو اس مرکز فن و ثقافت میں آمدورفت رکھتے۔ وہ دروازہ کھلا اور احمد فراز اندر داخل ہوئے، یہ محمد کاظم صاحب چلے آرہے ہیں، گلزار صاحب کا ہندوستان سے فون ہے ، اِدھر فون رکھا اُدھر برطانیہ سے ساقی فاروقی کا فون آجاتا ہے، ابھی افتخار نسیم اٹھے ہیں تو امجد اسلام امجداور عطاءالحق قاسمی داخل ہوتے نظر آرہے ہیں۔" (۱۱)

یہ احمد ندیم قاسمی کی ایسی خصوصیات ہیں جو انہیں زندہ دل لوگوں میں شمار کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔عرفان جاوید نے اپنے منفرد انداز بیان سے ان میں ایسا رنگ بھرا ہے کہ قاسمی صاحب کی شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے۔

عرفان جاوید کی دوسروں کے ساتھ وابستگی کے ساتھ ساتھ اپنے آبائی علاقوں سے محبت بھی ان کے لکھے ہوئے خاکوں میں ظاہر ہوتی ہے ۔ وہ ہندوستان سے آنے والے مختلف ادیبوں کی حالت سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ اور ہجرت نے لوگوں کے ذہنوں پر کیا اثرات مرتب کیے وہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں خاکوں میں ہجرت کے اثرات کی عکاسی ملتی ہے۔وہ اے ۔حمید کے خاکے میں یوں رقمطراز ہیں:

"اے حمید پرانے لاہور کو یوں یاد کرتے گویا وہ اب کسی اورکرہ پر آباد ہوں۔ وہ امرت سر میں رہتے اور ادیب بننا چاہتے تھے تو بھی لاہور آتے رہتے۔ یہاں اُن کا ٹھکانا انارکلی کا ممتاز ہوٹل یا پھر منزل نامی ریستوران ہوتا۔ادیب زیادہ انھی ہوٹلوں میں بیٹھتے۔ایک روز بتانے لگے کہ وہ لاہور کو اس کے مرچکے لوگوں کے علاوہ،ختم ہوچکے ماحول اور تہواروں، لبادوں ،موسموں کی ٹکڑیوں کی شکل میں یاد کے شیش محل میں آباد رکھتے ہیں۔پرانے دوستوں اقبال کوثر،احمد راہی ، ناصر کاظمی اور ان کے ساتھ آندھی طوفان میں گلی کے چھجے تلے ستون کی اوٹ میں پناہ لینے، ننگی اندھیری راتوں میں سڑکوں پر آوارگی اور تپتی دوپہروں میں پرانی عمارتوں میں رسالوں کے دفتروں سے ملحق آرام کمروں کی ٹھنڈک میں منٹو کے ساتھ مودبانہ گپ شپ کی یادیں زندہ کرتے رہتے۔(۱۲)

عرفان جاوید کے بعض خاکے پڑھنے سے اندازہ ہوتاہے کہ ان کو لوگوں کے مزاج سمجھنے میں خاصی مہارت حاصل تھی ۔ وہ لوگوں سے میل جول بڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کے مزاج سے بھی گہری واقفیت حاصل کر لیتے

تھے ۔ وہ جان جاتے تھے کہ کون سا شخص کس وقت جذباتی ہوسکتاہے اور کس وقت اس کا مزاج معتدل ہوسکتاہے۔ اس مزاج شناسی نے انھیں لوگوں کی عادات سے بھی بخوبی آگاہ کردیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے لکھے ہوئے خاکوں میں بعض جملے ایسے بھی ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتاہے کہ وہ دوسروں کے کس حدتک قریب تھے او ر کس طرح ان کے مزاج آشنا تھے۔ وہ مستنصر حسین تارڑ کے متعلق" کاہن " میں لکھتے ہیں:

"تارڑ صاحب کسی کو خاطر میں کم ہی لاتے ہیں، عمر کے ساتھ در آنے والی عبداللہ حسین کی بے وجہ کی ناراضی کی گفت گوہنستے ہوئے سن لیتے تھے۔وہ جانتے ہیں کہ گزرتی عمر کے ساتھ انسان کے مزاج میں درشتی اور تلخی آہی جاتی ہے۔" (۱۳)

خاکہ نگار کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ شخصیت سے نہ صرف خود واقف ہوتاہے بلکہ دوسرے لوگوں کے خیالات سے بھی آگاہ ہوتاہے ۔ وہ اس بات کوجاننے کی کوشش کرتاہے کہ اس شخص کے دوسروں کے ساتھ معاملات کیسے ہیں اور دوسرے اس کے بارے میں کیسے خیالات رکھتے ہیں۔اس امر سے آگاہی اسے اپنی زیربحث شخصیت کے سماجی مقام و مرتبے سے بھی آشنا کرتی ہے۔ اگر شخصیت ادیب ہوتو اس بات کاجاننا اورزیادہ اہم ہوجاتاہے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ اس کے تخلیقی عمل او رادبی نگارشات کودوسرے ادیب کس نظر سے دیکھتے ہیں۔گویا دوسروں کی آرا سے آگاہی حاصل کرنے کا عمل وسیع معنوں میں سامنے آتاہے ۔عرفان جاوید کی خوبی یہ ہے کہ وہ نہ صرف اس عمل کی طرف بڑھتے نظر آتے ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی شخصیت سے متعلق آراء بھی بیان کرنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیتے ۔وہ اے حمید کے بارے میں دوسروں کی آرا کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"جہاں منٹو نے اُنھیں پیار سے ایک بکواسی کا خطاب دیا جو کھبے سے بھی عشق کرتا ہے، وہیں انتظار حسین نے انھیں بیسویں صدی کے تین بڑے رومانوی ادیبوں میں ناصر کاظمی اور منیر نیازی کے ساتھ شمار کیا۔ کشور ناہید نے ان کے رومانوی مزاج کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا"جب مالی باغ کی صفائی کرتا تو وہ خشک پتے واپس بکھیر دیتے کہ ان کے بغیر باغ سُونالگتا۔ "بانو قدسیہ نے اُن کے دھیمے مزاج کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اُن کی موجودگی میں مخاطب میں اپنی ذات کی مضبوطی اور طاقت کا احساس فزوں تر ہوجاتا۔ ابن انشا نے تو ان کی محبت میں لکھا۔"اب کے لاہورآیا توملوں گا ‘اورجی کڑا کرکے تمھارا منہ چوموں گا اور شہر گھومیں گے۔"احمد راہی کا خیال تھا کہ جب بھی انھوں نے فلم بنائی تو اے حمید اس کا ہیرو ہوگا۔خالد حسن ایسے اپنے مزاج کے شخص نے تو ان کے شاہ پارے انگریزی میں ترجمہ کرکے انھیں عالمی قارئین سے متعارف کروایا۔" (۱۴)

اس اقتباس سے عرفان جاوید کے مطالعہ کی وسعت کا بھی اندازہ ہوتاہے ۔ دفتری امور کی انجام دہی کے باوجود ان کے مطالعہ کرنے کی عادت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ان کی وسعت ِ مطالعہ نے ان کی فکر اورسوچ کو خاصی جلابخشی ہے۔

عرفان جاوید کے ہاں ادیبوں اور شعرا کے جو خاکے ملتے ہیں ان میں ایک عہد کا پورا ادبی منظر نامہ آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتا ہے۔ شکیل عادل کے خاکے میں یہی خصوصیت نظر آتی ہے۔ عرفان جاوید اس خاکے میں لکھتے ہیں:

> "رئیس امروہوی اور جون ایلیا کے ساتھ زندگی بِتا کر شکیل بھائی کی زبان ٹکسال میں ڈھل چکی تھی۔ایک مرتبہ ساحلِ سمندر پر کلفٹن سی ویو کے ساتھ ساتھ واک کرتے ہوئے جب میں نے ایک سوال پوچھا تو مجھے توقع تھی کہ وہ رئیس یا جون صاحب کا نام لے دیں گے۔ صبح سویرے نیلے سمندر کی تیز نمکین ہوا اور لہروں کی سفید جھاگ دیکھتے ہوئے میں نے پوچھا کہ انھیں قیامِ پاکستان کے بعد کون سا شاعر، شاعری کا اہم ترین ستون لگتا ہے، تو بے اختیار بول اُٹھے۔
>
> "جوش ملیح آبادی ! کیا نوابی شخصیت تھی، گورے چٹے، سرخ وسپید، کیا لحن تھا، کیا طنطنہ تھا۔ الفاظ تو گویا اُن کی زبان پر نازل ہوتے تھے اور خیال ان کے دل پر۔ میں اُن خوش نصیبوں میں شامل ہوں جنھوں نے اُن کو اس طرح اپنی ہی نظم "یہ جوانی ہے جوانی ہے جوانی ہائے ہائے "پر جھوم کر اپنی کوٹھی کے لان میں رقص کرتے دیکھا ہے کہ انھوں نے صرف کُرتا پہن رکھا تھا۔" (۱۵)

عرفان جاوید نے جن لوگوں کے خاکے لکھے ہیں ان کے بارے میں وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ لوگ ان کی عادات سے کس طرح فائدہ اٹھاتے تھے اس کا ذکر بھی عرفان جاوید کے خاکوں میں ملتا ہے۔ انھوں نے صرف شخصیت کے بارے میں ہی نہیں لکھا بلکہ سماج کے ان عناصر تک بھی رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جن سے ان لوگوں کو کسی نہ کسی طرح واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ عرفان جاوید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ ان سماجی معاملات کو بھی اس طرح دلفریب انداز میں بیان کرتے ہیں کہ قاری ان کی تحریر کے سحر میں کھو کر رہ جاتا ہے۔وہ ان کو بیان کرنے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ جذباتی وابستگیوں کا بیان کسی فن کار کے لیے بہت بڑا امتحان ہوتا ہے ۔عرفان جاوید اس امتحان میں بھی کامیاب نظر آتے ہیں۔وہ اے حمید کے خاکے میں لکھتے ہیں:

> "حسن پرست ایسے تھے کہ سبزیاں اور پھل ذائقے سے زیادہ خوب صورتی کی وجہ سے خریدتے۔ گھر کے باہر ریڑھے والا ان کی کم زوری سے واقف تھا۔ سبزیاں خوب دھو کر اور سجا کر لے آتا۔ جو سبزی انھیں زیادہ خوب صورت لگتی، سبز پالک ،مونگرے ، پیازی پیاز کی گانٹھیں، سرخ گاجریں، سفید مولیاں جو بھی نظر کو بھاتا، خرید ڈالتے اور پیسوں کی پروا نہ کرتے۔کھانے میں ایسی نازک مزاجی کہ اگر امرود کی قاش کھائی اور پسند نہ آئی تو بقیہ اسی طرح چھوڑ دی۔ صبح لکھتے وقت سامنے میز پر کڑھائی والے گیلے رومال میں موتیے کے تازہ توڑے پھول رکھ لیتے جن کی بھینی مہک کمرا دیر مہکائے رکھتی۔" (۱۶)

عرفان جاوید کے خاکوں کا ایک اہم وصف تاریخ کا عنصر بھی ہے ۔ خاکہ میں شخصیت کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کو تاریخی تناظر میں ہی پیش کیا جاتا ہے ۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف لوگوں میں مختلف تبدیلیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ایک کامیاب خاکہ نگار اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے کہ وہ جس شخصیت کے بارے میں کچھ بیان کر رہا ہے اس کی زندگی کے کسی ایک پہلو کو ہی بیان نہ کیا جائے بلکہ اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بیان

کردیاجائے۔ عرفان جاوید کے ہاں تاریخی پہلو خاصا مضبوط دکھائی دیتاہے ۔احمد ندیم قاسمی کے خاکے" پارس "میں قاسمی صاحب کے قیلولہ کرنے کی عادت کو بیان کرتے ہوئے اسے برطانوی عہد کے ہندوستان میں لے جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "کھانے کے بعد وہیں دفتر میں صوفے پر لیٹ جاتے ۔ایسے میں ان کا منحنی جثہ سمٹ جاتا اور وہ چھوٹے بچے کی طرح پیٹ سے گھٹنے جوڑکر سوجاتے۔ ان کی قریباً نوے برس کی طویل عمر اوراچھی صحت میں غالباً دوپہر کے مختصر آرام کا بھی ہاتھ تھا۔قیلولے کی عادت میں نے شکیل عادل زادہ صاحب اورعبداللہ حسین صاحب میں بھی دیکھی۔ قاسمی صاحب کہتے تھے کہ قیلولہ انھیں بقیہ دن کے لیے جسمانی طور پر چاق چوبند اور ذہن کو تروتازہ کردیتاہے۔قیلولہ گرم اور مرطوب علاقوں میں آج بھی عام ہے۔ برطانوی راج میں دفاتر کے ساتھ قیلولے کے لیے' ریٹائرنگ روم 'بنائے جاتے تھے۔شہرہ آفاق برطانوی راہ نما چرچل میں قیلولے کی عادت کچھ ایسی راسخ ہوچکی تھی کہ وہ جنگِ عظیم کے دوران بھی قیلولہ کرتا جسے وہ"Power Nap" کا نام دیتا تھا اور تروتازہ ہو کر پھر سے جنگی حکمتِ عملی اورامورِ مملکت میں تن دہی سے مصروف ہوجاتا۔" (۱۷)

زمانے کے ساتھ ساتھ ادب کی جو صورت حال سامنے آتی ہے اوروقت زبانوں کے مٹنے اور ابھرنے کے اندازسامنے لاتاہے ۔عرفان جاوید ان کے بارے میں بھی خاصی آگاہی رکھتے ہیں، ان کے لکھے ہوئے خاکوں میں ادب اور زبان کے بارے میں بہت سے مباحث ملتے ہیں۔ زیادہ تر خاکے چوں کہ ادیبوں کے ہیں اس لیے لازمی طور پر ان میں ادب وزبان کے مباحث آنے چاہیے تھے۔ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ زبانیں معدوم ہوتی رہتی ہیں لیکن ان زبانوں میں لکھے جانے والے ادب کی بقا اسی میں ہے کہ وہ مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوتارہے ۔جوادب اور کسی دوسری زبان میں ترجمہ ہوجائے گا اس کے معدوم ہونے کے امکانات کم ہوجاتے ہیں کیونکہ ایک زبان کے معدوم ہونے کے باوجود ترجمے کی صورت میں وہ ادب دوسری زبان میں محفوظ ہوتاہے۔ وہ اس نکتے کوایک خاکے میں یوں بیان کرتے ہیں:

> "زوال پذیر تہذیبوں کی زبوں حال زبانوں کے قدآور ادیب بھی بالآخر خاک میں مل کر خاک ہوتے ہیں۔ ڈسٹ اِن ٹو ڈسٹ اینڈ ایشز اِن ٹو ایشز۔ جو چند خوش گمان احباب کہتے ہیں کہ وقت آنے پر بڑے ادیب کا تعین خود بخود ہوجاتا ہے جی کے خوش کرنے کو اچھا سامان کرتے ہیں۔ اپنے وقتوں کی عظیم زبانیں رومن اور سنسکرت اپنے بڑے دماغوں کے ساتھ پیوند خاک ہوئیں۔ ایک چھوٹے سے جزیرہ ٔ انگلشیہ کے دکانداروں کی اکھڑ زبان انگریزی معتبر ٹھہری اور اس کا ایک اوسط دماغ بھی عظیم ٹھہرایا گیا۔ استثنیٰ فقط ان تخلیقات کو حاصل ہے جو زندہ زبانوں میں ترجمہ ہو کر محفوظ ہوئیں۔" (۱۸)

عرفان جاویداردوزبان کے بارے میں نہ صرف خود آگاہ ہیں بلکہ مختلف ادیبوں کے ہاں اردو کی مختلف علاقوں کی صورت حال کے بارے میں بھی خاص آگاہی رکھتے ہیں ۔عبداللہ حسین کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ

انہیں اکھنڈ بھارت میں اردو زبان کی صورت حال سے خاصی تشویش لاحق تھی ۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی لطیف انداز میں مختلف زبانوں پر عبداللہ حسین کی دسترس کو بھی بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ عرفان جاوید لکھتے ہیں:

"عموماً خان صاحب روزمرہ بول چال میں پنجابی، رسمی گفت گو میں اردو اور برہمی میں انگریزی بولتے تھے۔انھیں اکھنڈ بھارت میں ختم ہوتی اردو کا بہت دکھ تھا۔ چند کوتاہ نظر نہیں جانتے کہ اگر پاک وطن وجود میں نہ آتا تو بھلے مسلمان اکھنڈ بھارت میں کتنی ہی بڑی اقلیت کیوں نہ ہوتے، ان کی زبان وثقافت ویسے ہی معدوم ہوتی چلی جاتی جیسی کہ دنیا بھر میں اقلیتوں کی روایت رہی ہے۔" (۱۹)

خاکہ نگار کے سامنے خاکہ نگاری کرتے ہوئے ایک شخصیت ہوتی ہے جو لازمی طورپر خوبیوں اور خامیوں کا مرقع ہوتی ہے ۔ ایک کامیاب خاکہ نگار اس شخصیت کو اس انداز میں پیش کرتاہے کہ نہ تو اس کو دیوتابنا دے کہ لوگ اس شخصیت کے سحر میں گرفتا ہوجائیں اور نہ اس شخصیت کی خامیوں کو یوں بیان کرے کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں۔خاکہ نگار کا یہیں سے اصل امتحان شروع ہوتاہے۔

عرفان جاویدکے لکھے ہوئے خاکوں کو دیکھاجائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی خوبیاں او ر خامیاں دونوں بیان کرتے ہیں ۔ وہ خوبیوں کو بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے وہاں خامیوں کا بیان بھی سلیقے سے کرتے ہیں کہ وہ خامیاں کم او ربشری کمزوریاں زیادہ نظر آنے لگتی ہیں۔عرفان جاوید ،احمدندیم قاسمی کے خاکے میں ان کی شخصی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کا قاسمی صاحب کا یہ اپنا انداز تھا۔انھوں نے بہت سے ایسے لوگوں کی کتابوں کے فلیپ بھی لکھے جو چند معترضین کی نظر میں اس کے اہل نہ تھے۔قاسمی صاحب اس پر اظہار رائے کرتے ہوئے مجھ سے کہنے لگے۔"مجھے جس میں ذرّہ برابر بھی خوبی نظر آتی ہے میں اُس کی حوصلہ افزائی کی کوشش کرتا ہوں۔عین ممکن ہے ان میں کوئی باصلاحیت ہو جو میری زبان، ادب اور میرے وطن کے لیے بارآور ثابت ہو۔" (۲۰)

عبداللہ حسین اردوکے معروف ناول نگار تھے ۔ "اداس نسلیں "نے ان کو شہرت دوام بخشی لیکن وہ خود نمائی سے بہت دورتھے ۔ وہ ایک کامیاب ناول نگار ہونے کے باوجود محفلوں اور اور سٹیج سے دورہی رہتے تھے ۔ عرفان جاوید عبداللہ حسین کی اس خوبی کو یوں بیان کرتے ہیں:

"وہ خود نمائی سے گریزاں تھے چناں چہ ایسے لوگوں کو زیادہ پسند کرتے جن کی تخلیق بولتی تھی بجائے ان کے جو خود بولتے تھے۔ البتہ اس معاملے میں ایک انحراف یہ تھا کہ جب" اُداس نسلیں "کے ابتدائی ایڈیشن چھپے تو ان پر" اُردو کا عظیم ناول "لکھاگیا تھا۔ غالباً یہ پبلشر کی ضرورت تھی۔ بلاشبہ بین الاقوامی معیار کے اہم ناولوں کے پر توصیفی رائے رقم ہوتی ہے۔ دوستووسکی سے لے کر ٹالسٹائی اور میلان کنڈیرا تک اہم ادیب عموماً اپنی تخلیقات کے معیار پر نہ تو شرمندہ رہے ہیں اور نہ ہی متذبذب۔ اسی لیے وہ ان کی خوبیوں کا برملا اظہار کرتے ہیں۔" (۲۱)

خاکہ نگار کے لیے کسی بھی شخصیت کی خامیوں کا بیان خاصامشکل ہے ۔خاکہ نگار کو اس بات کا خیال رکھنا پڑتاہے کہ وہ خامیوں کے بیان کرتے وقت شخصیت کے انہدام سے بچ کر نکل جائے ۔عرفان جاوید اس فن میں بھی طاق نظر آتے ہیں۔ اس کا ثبوت ان کے لکھے ہوئے مختلف خاکوں سے ملتاہے ۔احمد فراز جنھوں نے ضیاءالحق کی آمریت میں بہت دکھ اٹھائے ،ہمیشہ آمریت کے خلاف رہے لیکن انھوں نے مشرف کی آمریت میں سرکاری عہد ہ قبول کیابلکہ مشرف کی پالیسیوں کی تعریف بھی کرتے تھے ۔ عرفان جاوید نے ذات کے تضاد کی اس خامی کوبڑے خوب صورت انداز میں یوں بیان کیا ہے:

"وقت نے فراز کے زخم خاصی حد تک مندمل تو کردیے،مکمل بھرے نہیں۔ یہ اس حد تک مندمل ہوگئے کہ پرویز مشرف کے دورِ اقتدار میں فراز نے باقاعدہ سرکاری عہدہ قبول کیا۔ایک مرتبہ اس بارے میں لاہور میں ایک اتفاقی ملاقات کے دوران بات ہوئی تو انھوں نے مشرف کی اُن پالیسیوں کی تعریف کی جو معاشرے میں اعتدال لانے کے لیے بنائی گئی تھیں۔ ایک فوجی حکومت میں ملازمت کے حوالے سے محتاط الفاظ میں ایک دوست نے پوچھا تو اُن کا کہنا تھا۔"اچھا کام کسی بھی دور میں کرنے کی کوشش کرنا ایک قابلِ قدر بات ہے۔ اگر سبھی کام کے لوگ ایک مخصوص دور میں خاموش اور کنارہ کش ہوجائیں گے تو میدان ابن الوقتوں اور ناکارہ لوگوں کے لیے خالی ہوجائے گا۔ "اُن کا یہ کہنا بھی تھا کہ لازم نہیں کہ ایک سرکاری ملازم حکومت ِ وقت کی پالیسیوں سے مکمل طور پر متفق ہو۔اس معاملے میں فیض صاحب کی مثال دی جنھوں نے برطانوی فوج میں ملازمت کی تھی۔پابلو نیرودا جیسے شہرہ آفاق مزاحمتی شاعرنے بھی ایک آمرانہ حکومت کے دور میں ملازمت اختیار کی تھی۔ گو فراز صاحب کے دلائل منطقی تھے لیکن اُن کا لہجہ مضبوط نہ تھا۔وہ شاید خود اپنے دلائل سے مطمئن نہ تھے۔" (۲۲)

عرفان جاوید کو خامیوں اور ذات کے تضادکو بیان کرنے میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ وہ شخصیت کو منہدم کیے بغیر اس کی خامیوں کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور قاری بھی ان کے ساتھ سفر کرتا نظر آتاہے۔

تقسیم ہند کے واقع نے جہاں لوگوں کو استعماریت سے نجات دلائی وہاں ایک بہت بڑے المیے کو بھی جنم دیا۔ لوگوں کو اپنے گھربار او رمال ومتاع کے ساتھ ساتھ جانوں اورعزتوں کی بھی قربانی دینی پڑی۔ جس نے سماج کو ایک خاص انداز سے متاثر کیا۔ عرفان جاوید نے جن لوگوں کے خاکے تحریر کیے ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں جنھوں نے ہجرت کا دکھ خود جھیلا اور اس کرب کی عکاسی بھی ان کی تحریروں میں ہوتی ہے۔عرفان جاوید نے ایسے لوگوں کے خاکے تحریر کرتے وقت ا ن کے قلب و اذہان پر ہجرت کے اس کرب کو بھی نمایاں کیاہے۔لوگوں کواپنے آبائی علاقوں ا ور اپنی جنم بھومی سے کس قد رپیار تھا اور اس کو چھوڑنا کس قدر جانگسل مرحلہ تھا۔عرفان جاویدنے ان سب چیزوں کا ذکر اپنے خاکوں میں کیا ہے۔عرفان جاوید ناصر کاظمی کے خاکے میں اس کرب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب ناصر امرتسر چھوڑکر پاکستان کی جانب ہجرت کررہا تھا تو اُس نے اپنے تمام کبوتروں کو آزاد کردیا۔گھر چھوڑتے وقت جب اُس نے مکان پر آخری نظر ڈالی تو کبوترواپس لوٹ رہے تھے۔ وہ یقیناً گھر

کو لوٹ آئے ہوں گے۔افسوس وہ پرندے تو گھر لوٹ آئے ۔بے چارہ ناصر پھر کبھی گھر واپس نہ آپایا۔"(۲۳)

"پرندے تو اپنے گھر لوٹ آئے ۔بے چارہ ناصر پھر کبھی گھر واپس نہ آ پایا "وہ کرب ناک صورت حال بیان کرتاہے جو ہجرت کرنے والوں کا مقدر بنی تھی۔ناصر کاظمی سمیت کتنے ہی ایسے ادیب تھے جنھوں نے اس کرب سے اپنی ذات کو گزارا۔عرفان جاوید کے ہاں اس المیے کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔

خاکہ نگار جن لوگوں کے خاکے تحریر کرتاہے ان سب کا تعلق کسی ایک علاقے یا ایک قوم سے نہیں ہوتا۔ بلکہ خاکہ نگار کے سامنے دنیا ہوتی ہے۔وہ کسی بھی شخصیت کے احوال و آثار کو اپنے خاکے کا موضوع بناسکتاہے۔اسی طرح مختلف علاقوں سے لوگوں کا تعلق ہونے کی وجہ سے خاکہ نگار ان مختلف علاقوں کے سماجی حالات اور لوگوں کے انداز زندگی کو بھی سامنے رکھتاہے۔ عرفان جاوید کے لکھے ہوئے خاکوں سے ظاہر ہوتاہے کہ ان کے ہاں یہ پہلو بھی نظر آتاہے۔ وہ مختلف علاقوں کے لوگوں کی مخصوص عادات سے گہری واقفیت بھی رکھتے ہیں اور ان کا بیان بھی بڑے خوب صورت انداز میں کرتے ہیں۔وہ لاہور کے رہنے والوں کی عادات بیان کرتے ہوئے ایک خاکے میں یوں رقمطراز ہیں:

"لاہوریوں میں ایک خوبی یا خامی یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ دیر تک کوئی بات یا راز اپنے پیٹ میں رکھ نہیں سکتے۔ سو وہ بھی جلد ہی بے تکلف ہوجاتا ہے۔ جب گفتگو ابتدائی تکلفات سے بے تکلفی کی حددود میں داخل ہوتی ہے تو وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا ہے، کوٹ کی سامنے کی جیب سے سرخ رومال نکالتا ہے، ماتھا پونچھتا ہے اور رومال کا گولا بنا کر اسے پتلون کی جیب میں ٹھونستے ہوئے میرے کان کے قریب منہ لاکر سرگوشی میں پوچھتا ہے۔

"ٹرکی کا ویزہ آپ کا بھلا کتنے میں لگا تھا؟"

میں غور سے اسے دیکھتا ہوں او رویزہ فیس کا بتادیتا ہوں۔

وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتا ہے اور پوچھتا ہے

"نہیں نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ ایجنٹ کو آپ نے کتنے پیسے دیے تھے؟ بھلا یورپ میں داخل ہونا کوئی آسان بات ہے۔"

اب حیران ہونے کی باری میری ہے۔ مجھے اپنے حلق سے آواز برآمد ہوتی سنائی دیتی ہے۔"بس ویزہ فیس ہی دی تھی اور میرا ترکی کے رستے یورپ داخل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں۔"وہ معنی خیز انداز میں مجھے دیکھتا ہے اور کہتا ہے

"سبھی یوں ہی کہتے ہیں۔ چلیں جو آپ کی مرضی۔" (۲۴)

اس اقتباس سے لاہوریوں کے اطوار کا بخوبی علم ہوتاہے۔ اس کے علاوہ عرفان جاوید کے خاکوں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ شخصیت کا بیان کرتے ہوئے قوم کے مختلف اطوار اور قوم کی بے حسی کو بھی بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔اس ضمن میں من حیث القوم ہمارا یہ المیہ ہے کہ ہمارے ہاں کتاب، ادب اور ادیب کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی ۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کا مجموعی تاثر ادب گریز کے طور پر سامنے آیاہے۔ عرفان جاوید نے قوم کے اس

رویے کو کئی خاکوں میں دکھایا ہے۔انھیں اس بات کا شدید رنج بھی ہے کہ جنھوں نے کسی بھی ذاتی مفاد کا خیال کیے بغیر اس قوم کے لیے ادب تخلیق کیا اور قوم کو اپنے ماضی کے ساتھ ساتھ مستقبل کے بارے میں سوچنے کی راہ سجھائی قوم ایسے ادیبوں کو بھی فراموش کر دیتی ہے ۔ عبداللہ حسین کے بارے میں لکھے ہوئے خاکے" باگھ "میں اس رویے کا نوحہ یوں پڑھتے نظر آتے ہیں:

> ”عبداللہ حسین نے کئی نسلوں اور لاکھوں لوگوں کو متاثر کیا، اُن کو پڑھے بغیر اُردو ادب کا مطالعہ مکمل نہیں ہوتا۔ چناں چہ جب وہ فوت ہوئے تو الیکٹرانک اور سوشل میڈیا تعزیت اور افسوس کے پیغامات سے متحرک ہوگیا۔ ہزاروں کی تعداد میں برقی پیغامات کا تبادلہ ہوا۔صدر اور وزیراعظم نے دلی افسوس اور تعزیت کا اظہار کیا۔ سب ہوائی تھا ،سو ہوائی رہا۔افسوس ناک حقیقت تو یہ ہے کہ اُن کے جنازے میں مٹھی بھر لوگ شریک ہوئے اور تدفین میں گنتی کے لوگ یوں تہذیبی اور علمی طور پر بے حس ہوتی ہماری قوم نے عظیم ادیب عبداللہ حسین کے جنازے کے ساتھ بالآخر اپنے انجام کی بھی خبر دے دی۔“(۲۵)

عرفان جاوید کے خاکوں میں شخصیتوں کے حوالے سے ہی معلومات نہیں ملتی بلکہ انھوں نے ان شخصیات کے عہد کو بھی کئی حوالوں سے نمایاں کیاہے۔انھوں نے مختلف لوگوں کی عادات کے ساتھ ساتھ قوم کے اجتماعی رویوں کو بھی بیان کرنے میں بڑی مہارت کاثبوت دیا جس سے ظاہر ہوتاہے کہ ان کے موضوعات کی دنیا بہت وسیع ہے۔ان کے لکھے ہوئے خاکے شخصیات کے بیان سے آگے بڑھتے ہوئے ایک عہد کی تاریخ رقم کرتے دکھائی دیتے ۔ایسا عہد جو ہنگامہ خیز بھی ہے ۔جس میں جدت بھی ہے۔نئی سماجی اقدار کارواج پانا بھی اورساتھ ہی بہت سی سماجی اوراخلاقی اقدار کے زوال کا بیان بھی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عرفان جاوید نے موضوعاتی او رفکری حوالے سے اردو خاکہ نگاری کو نئی جہتوں سے آشناکروانے میں اہم کردار اداکیاہے۔

حوالہ جات

1. محمد حسین جامی ، اردو خاکہ نگاری ،لاہور: دارالشعور، ۲۰۱۴ء، ص :۵
2. پروفیسر تنویر حسین ، اصناف ادب اردو، لاہور : مقبول اکیڈمی ، ۲۰۰۹ء ، ص :۱۸۰
3. عرفان جاوید، دروازے ، لاہور :سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷، ص:۱۱
4. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۱۱
5. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۱۲
6. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۳۶
7. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۱۶
8. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۷۱
9. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۷۹
10. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۱۲۱
11. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۲۸۰
12. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۱۳
13. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۴۰
14. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۱۱۴
15. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۳۴
16. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۱۹۹
17. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۴۲
18. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۱۷
19. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۹۱
20. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۱۱۴
21. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۲۴
22. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۱۰۵
23. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۵۴
24. عرفان جاوید، دروازے ،ص:۴۴

25. عرفان جاوید، دروازے ،ص:٦٦